باب 2

دکن میں اُردو شعروادب

اردو شعروادب کی تاریخ میں دکن کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے فروغ میں یہاں کے بادشاہوں نے بھی حصّہ لیا۔ دکن کا ہی ایک بادشاہ قلی قطب شاہ اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر بھی ہے۔ دکن کے ایک اہم شاعر ولی دکنی نے اپنی غزل گوئی کے لیے بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔

پہلے دکن کی حدود میں گجرات، تلنگانہ اور کرناٹک کے علاقے شامل تھے۔ یہاں چار زبانیں گجراتی، مراٹھی، تیلگو اور کنڑ بولی جاتی تھیں۔ اردو زبان سب سے پہلے شمالی ہند سے آنے والے صوفیائے کرام کے ساتھ یہاں پہنچی۔ صوفیائے کرام نے رشد و ہدایت کے سلسلے میں مقامی زبانوں سے میل جول بڑھایا۔ اس میل جول سے ایک نیا لسانی ماحول تیار ہوا۔ دکن پر علاء الدین خلجی کی فتح نے شمال وجنوب کو ایک دھاگے میں پرونے کا کام کیا اور نئے لسانی ماحول کو مزید فروغ حاصل ہوا۔

کچھ ہی عرصے بعد 1327 میں محمد بن تغلق نے ہندوستان کی راجدھانی کو دہلی سے دکن کے علاقے دولت آباد منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ پایۂ تخت کی تبدیلی سے نئے لسانی ماحول کو تیزی کے ساتھ پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد یہاں آ کر بس گئے۔

زبان کے لین دین کا جو عمل صوفیائے کرام سے شروع ہوا تھا، فوجیوں، سپہ سالاروں سے ہوتا ہوا حکّام اور دربار تک پہنچ گیا۔ اگرچہ ایک سال کے بعد ہی دہلی کو دوبارہ راجدھانی بنا دیا گیا۔ تاہم دہلی سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر لوگوں نے وہیں رہائش اختیار کر لی۔ دہلی سے آئی ہوئی زبان پر مقامی اثرات کی وجہ سے اسے آگے چل کر ایک نیا نام 'دکنی' دے دیا گیا جو اردو کی ایک قدیم شکل ہے۔ اسے قدیم اردو کہنا ہی مناسب ہے کیوں کہ افعال اور جملوں کی نحوی ساخت کے اعتبار سے دکنی اور اردو میں کوئی فرق نہیں۔ یوں بھی پورا دکنی سرمایہ فارسی اور اردو کی ادبی روایت کا حصہ ہے۔

بہمنی دور(1347-1495):

دکن میں اردو زبان وادب کے فروغ کے تعلق سے بہمنی سلطنت کا قیام بھی ایک اہم واقعہ ہے۔اس کے دو بڑے نتیجے سامنے آئے : ایک تو یہ کہ حسن گنگو بہمنی نے مرکزی حکومت سے مقابلہ کرنے کے لیے مقامی حمایت کو لازمی سمجھا۔دوسرے یہ کہ بہمنی سلطنت کے علاقے میں تین مقامی زبانیں تیلگو، کنڑ اور تامل بولی جاتی تھیں۔ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے کے بجائے اردو کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی۔اسی سلطنت کے آخری دور کے بادشاہ محمود شاہ بہمنی (دورِ سلطنت: 1482-1520) کے عہد کا ایک شاعر قریشی بیدری ہے، جس کے بارے میں خیال ہے کہ اسی نے قدیم اردو کو دکنی کا نام دیا۔

سو اس شاہ کے دوریں بیدر مقام یہ شاعر کیا نظم دکھنی تمام

بہمنی سلطنت کی علم دوستی اور ادب نوازی کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔کہا جاتا ہے کہ انھوں نے خواجہ حافظؔ شیرازی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔اس دور میں بہت سے صوفیائے کرام اور شاعروں کے نام ملتے ہیں۔مثلاً شاہ برہان الدین غریب، سید یوسف راجا، امیر حسن سنجری، محمد اکبر حسینی، ملا محمد تقی نظیری، محمد عبداللہ حسینی، فیروز شاہ، مشتاق، لطفی، اشرف، نظامی، سید محمد حسینی گیسودراز وغیرہ۔ان میں بھی نظامی بیدری اور سید محمد حسینی گیسودراز بندہ نواز کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔

خواجہ بندہ نواز گیسودراز (1321-1422): ان کا نام سید محمد حسینی اور تخلص شہبازؔ تھا۔وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں دہلی سے گلبرگہ چلے گئے۔وہ اپنے زمانے کے بڑے عالم تھے۔عربی فارسی کے علاوہ دکنی میں بھی انھوں نے اپنی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ان میں 'شکار نامہ' اور 'چکی نامہ' اہم ہیں۔

حسن نظامی بیدری : ان کا نام فخر الدین اور تخلص نظامی تھا۔بیدر کے رہنے والے تھے۔ان کی شہرت ان کی ایک مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' کی وجہ سے ہے۔اس مثنوی کو اردو کی پہلی مثنوی کہا جاتا ہے۔کدم راؤ پدم راؤ اس مثنوی کے مرکزی کردار ہیں۔کدم راؤ راجا ہے اور پدم راؤ اس کا وزیر۔یہ ایک راجا کی کہانی ہے جو عورت کی وفاداری پر شک کر کے سنیاس لے لیتا ہے۔بعد میں ایک جوگی سے دھوکا کھا کر اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتا ہے اور ہنسی خوشی زندگی گزارتا ہے۔

بہمنی سلطنت کے بطن سے پانچ نئی سلطنتیں عادل شاہی، قطب شاہی، نظام شاہی، برید شاہی اور عماد شاہی وجود میں آئیں۔ان میں عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں نے اردو زبان وادب کی ترقی میں بڑا حصہ لیا۔

عادل شاہی دور (1686-1490) :

بیجا پور میں عادل شاہی سلطنت کا قیام 1490 میں ہوا۔ یہ حکومت تقریباً ایک سو پچانوے سال تک قائم رہی۔ عادل شاہی بادشاہوں نے نہ صرف شعر و ادب کی سرپرستی کی بلکہ وہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ اس حکومت کا بانی یوسف عادل شاہ ترکی اور فارسی میں شعر کہتا تھا۔ ایک اور بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کو 'جگت گرو' کے نام سے شہرت ملی۔ اگرچہ شروع میں عادل شاہیوں نے شمالی ہند کے درباروں کی نقل کی اور فارسی زبان کا بول بالا رہا لیکن اس دور میں ہند ایرانی تہذیب کے سنگم کو علوم و فنون کے ہر شعبے میں کافی فروغ حاصل ہوا۔ اردو زبان و ادب پر اس تہذیبی امتزاج کے اثرات مرتب ہوئے۔

بیجا پور میں کئی شاعروں اور ادیبوں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں عبدل، میراں جی شمس العشاق، اشرف بیابانی، برہان الدین جانم، شاہ داول، ملک خوشنود، رستمی، مقیمی، حسن شوقی، صنعتی، علی عادل شاہ ثانی شاہی، نصرتی، امین الدین اعلیٰ وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

میراں جی شمس العشاق (1496-1407) : میراں جی شمس العشاق مشہور صوفی بزرگ تھے۔ ان کا تعلق خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے سلسلے سے تھا۔ انھوں نے اردو میں تصوف کے مضامین کو بیان کرنے کی روایت ڈالی۔ ان کی تصنیفات میں 'خوش نامہ'، 'خوش نغز'، 'شہادت الحقیقت'، 'شہادت التحقیق' اور 'مغزِ مرغوب' کے علاوہ نثر میں 'شرح مرغوب القلوب' اور رسالہ 'سبع صفات' شامل ہیں۔

اشرف بیابانی (1528-1459): ان کا نام سید شاہ اشرف بیابانی تھا۔ وہ اپنے زمانے کے ایک مشہور بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے والد سید شاہ ضیاء الدین رفاعی بیابانی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ وہ صوفی تھے اور شاعر بھی۔ ان کی تصانیف میں 'لازم المبتدی'، 'واحد باری' اور 'نوسر ہار' اہم ہیں۔ نوسر ہار مثنوی ہے اور اس کا موضوع کربلا کا واقعہ ہے۔ اس کی اہمیت زبان و بیان کے اعتبار سے مسلّم ہے۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی (1627-1580) : ابراہیم عادل شاہ ثانی عادل شاہی سلطنت کے تیسرے بادشاہ تھے۔ وہ فارسی اور دکنی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ مصوری اور موسیقی سے بھی انھیں گہرا لگاؤ تھا۔ ان کی مشہور تصنیف 'کتابِ نورس' یا 'نورس نامہ' ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر راگ راگنیوں سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں ابراہیم عادل شاہ نے راگ راگنیوں پر مبنی خود اپنے گیت شامل کیے ہیں۔ سترہ راگوں کے تحت کُل 59 گیت اور سترہ دوہے شامل ہیں

اور ہر گیت کا موضوع مختلف ہے۔ اس کے بیشتر گیت ہندو دیو مالا کے قصّوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ عشقیہ واردات اور کیفیات کی تصویر کشی کرنے میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کو کمال حاصل تھا۔

شاہ امین الدین اعلیٰ (1599-1674): ان کا شمار دکن کے مشہور بزرگوں میں ہوتا ہے۔ وہ برہان الدین جانم کے بیٹے تھے۔ انھوں نے اپنے مریدوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے رسائل لکھے اور شعر بھی کہے۔ 'وجود نامہ'، 'چکی نامہ'، 'وصل نامہ'، 'محبت نامہ'، 'نور نامہ'، 'نظم وجودیہ'، 'رموز السالکین'، 'گنجِ مخفی'، 'رموز العارفین' وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔

علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ (1628-1762): محمد عادل شاہ کے جانشین علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ بلند پایہ شاعر تھے۔ شاعری کے علاوہ خطّاطی، موسیقی، مصوری اور فن سپہ گری میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے نہ صرف شاعروں اور عالموں کی قدردانی کی بلکہ خود بھی زیادہ تر اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ 'کلیاتِ شاہی' کے نام سے ان کا کلام شائع ہو چکا ہے، جس میں قصائد، مثنوی، غزلیات، چار در چار، کبت اور فارسی کلام اور قطعاتِ تاریخ شامل ہیں۔

شاہی کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کلام میں مقامی اور ملکی عناصر کو بہ طورِ خاص اہمیت دی ہے۔ ان کے کلام کا پورا پس منظر ہندوستانی ہے۔ نسوانی حسن اور مناظرِ قدرت کی دل فریب عکاسی میں انھیں مہارت حاصل تھی۔

شاہیؔ نے ہر صنف سخن میں اپنی انفرادیت قائم کی ہے۔ قصائد میں نصرتیؔ کے بعد ان کا نام بہت نمایاں ہے۔ ان کی غزلوں میں عشقیہ تجربات کے ساتھ ترنم اور غنائیت بھی پائی جاتی ہے۔

عبدل : ان کے نام کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کا نام عبداللہ تھا جب کہ دوسری روایت میں ان کا نام عبدالغنی بتایا گیا ہے۔ عبدل، ابراہیم عادل شاہ ثانی (دورِ حکومت: 1580-1627) کے درباری شاعر تھے۔ ان کی مشہور تصنیف 'ابراہیم نامہ' ہے، جسے بیجاپور کا پہلا ادبی کارنامہ کہا جاتا ہے۔ یہ بادشاہِ وقت کا قصیدہ ہے۔ 'ابراہیم نامہ' اپنے دور کے سماجی، اخلاقی اور مجلسی حالات و واقعات کی آئینہ داری کے لیے مشہور ہے۔

شاہ برہان الدین جانم : شاہ برہان الدین، میراں جی شمس العشاق کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ انھوں نے تصوف کے مضامین کو موضوع بنایا۔ ان کے مشہور رسائل 'ارشاد نامہ'، 'حجت البقا'، 'وصیت الہادی'، 'سکھ سہیلا' اور 'پنج گنج' وغیرہ

ہیں۔ 'کلمۃ الحقائق' اور 'وجودیہ' ان کی نثری تصنیفات ہیں۔ جانم نے عام طور پر ہندی بحریں استعمال کی ہیں۔ انھوں نے اسلامی تصوف کی تشریح کے لیے ہندو فلسفے کی اصطلاحوں کو نہایت خوبی سے استعمال کیا ہے۔

ملک خوشنود : ان کا تعلق اصلاً گولکنڈہ سے تھا۔ بعد میں بیجاپور چلے گئے اور وہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ان کی دو مثنویاں 'جنت سنگار' اور 'بازارِ حسن' ملتی ہیں۔ جنت سنگار، امیر خسرو کی فارسی مثنوی 'ہشت بہشت' اور 'بازارِ حسن' انھیں کی 'یوسف زلیخا' کا دکنی ترجمہ ہے۔

رستمی : ان کا نام کمال خاں تھا۔ وہ عادل شاہی دربار سے وابستہ تھے۔ رستمی بڑے قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور قصیدے بھی۔ رستمی کی شہرت ان کے ترجمے کی وجہ سے ہے۔ انھوں نے ایک فارسی مثنوی 'خاور نامہ' کا دکنی میں ترجمہ بھی کیا تھا جو چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں دو سو بائیس عنوانات کے تحت حضرت علیؓ کی جنگی فتوحات کا بیان ہے۔

شوقی : ان کا نام حسن تھا اور شوقی تخلص کرتے تھے۔ ان کا تعلق دکن کے تین درباروں عادل شاہی، قطب شاہی، اور نظام شاہی سے تھا۔ عمر کا بڑا حصّہ نظام شاہی حکومت میں گذرا۔ اپنی زندگی کے آخری ایّام میں وہ عادل شاہی سلطنت سے وابستہ ہوگئے تھے۔ انھوں نے شاعری میں بڑا نام پیدا کیا۔ 'فتح نامۂ نظام شاہ' اور 'میزبانی نامہ' ان کی دو مثنویاں ہیں۔ انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ دکنی ادب کی تاریخ میں حسن شوقی کی بڑی اہمیت ان معنوں میں بھی ہے کہ انھوں نے ولؔی سے قبل صنفِ غزل کو مقبولِ خاص و عام بنایا۔ ان کا کلام 'دیوانِ حسن شوقی' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

مقیمی : مقیمی ابراہیم عادل شاہ کے زمانے کے مشہور شاعر ہیں۔ انھوں نے مثنوی 'چندر بدن و مہیار' لکھی جو عادل شاہی دور کی پہلی عشقیہ مثنوی مانی جاتی ہے۔ اس کا شمار اپنے دور کی مقبول مثنویوں میں ہوتا ہے۔ اس کہانی میں عشق کی عظمت کا بیان ہے جو پریم مارگی تصورات سے بہت قریب ہے۔

صنعتی : ان کا نام محمد ابراہیم خاں تھا۔ وہ سلطان محمد عادل شاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ ان کی دو مثنویاں 'قصۂ بے نظیر' (1645) اور 'گلدستہ' بہت مشہور ہوئیں۔ 'قصۂ بے نظیر' کا ایک نام 'قصۂ تمیم انصاری' بھی ہے۔ اس میں ایک صحابی تمیم انصاریؓ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اس مثنوی سے طلسمات اور عجائبات سے متعلق مثنویوں کے ایک نئے سلسلے کا آغاز ہوتا ہے۔ صنعتی کو بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔

نصرتی : ان کا نام شیخ نصرت تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت شاہی محل میں ہوئی تھی جس سے ان کی شاعرانہ صلاحیتیں خوب چمکیں وہ اپنے دور کے سب سے اہم شاعر مانے جاتے ہیں۔ علی عادل شاہ ثانی شاہؔی نے انھیں ملک الشعرا کا خطاب

عطا کیا تھا۔ ان کی مثنویاں اردو کی بہترین رزمیہ مثنویاں کہی جاتی ہیں۔ ان کی تین مثنویاں 'گلشنِ عشق'، 'علی نامہ' اور 'تاریخِ اِسکندری' دستیاب ہیں۔ 'علی نامہ' علی عادل شاہ کی منظوم سوانح عمری ہے۔ اس میں نصرؔتی کے قصائد بھی شامل ہیں۔ 'گلشنِ عشق' میں علی عادل شاہ کی مختلف جنگوں کا ذکر ہے۔ 'تاریخ اسکندری' بھی رزمیہ مثنوی ہے اور اس میں سکندر عادل شاہ کے انتقال پر مرہٹوں اور عادل شاہی فوج کے درمیان لڑائی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ نصرتی کو قدرتی مناظر کی عکاسی اور جنگ وجدل کے معرکوں کی تفصیل پیش کرنے میں بڑی مہارت تھی۔

قطب شاہی دور (1690-1495):

گولکنڈہ میں قطب شاہی حکومت 1508 سے 1686 تک قائم رہی۔ گولکنڈہ کا علاقہ حیدرآباد، آندھرا پردیش اور موجودہ مہاراشٹر کے بعض علاقوں پر مشتمل تھا۔ یہاں کی قطب شاہی حکومت اور دہلی کی مغل سلطنت میں نسلی اور تہذیبی یگانگت دکھائی دیتی ہے۔ اتفاق سے دونوں کے استحکام کا زمانہ بھی ایک تھا۔ اکبر کی طرح ابراہیم اور محمد قلی قطب شاہ نے بھی مقامی سطح پر تہذیبی یگانگت اور باہمی روابط کو فروغ دینے کی کوشش کی۔

گولکنڈہ کے ادبی ذخیرے نے بیجاپور کی ادبی روایت میں ایک نئی جہت کا اضافہ کیا۔ یہ جہت عشق وعبادت کی ہے۔ اس دور میں بھی شاعروں اور ادیبوں کے کئی نام ملتے ہیں جن میں سے چند اہم نام یہ ہیں۔ محمؔود، فیرؔوز، محمد قلی قطب شاہ، اسداللہ وجہؔی، عبداللہ قطب شاہ، غواصؔی، ابن نشاطؔی اور قاضی محمود بحرؔی۔

محمود : محمود قطب شاہی حکومت کے ابتدائی زمانے کے شاعر تھے۔ ان کا ذکر وجہؔی اور محمد قلی نے احترام کے ساتھ کیا ہے۔ محمؔود کی غزلیں، مرثیے اور دوہرے مختلف بیاضوں میں ملتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں فارسی اور مقامی زبان کی لفظیات کا خوش گوار امتزاج ملتا ہے۔ جو بعد میں آنے والے شعرا کے لیے غزل کے میدان میں نئی راہیں ہموار کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوا۔

فیروز : ان کا نام قطب الدین یا قطب دین قادری تھا۔ ان کا شمار بیدر کے مشہور شاعروں اور گولکنڈہ کے بڑے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ان کی مشہور تصنیف 'پرت نامہ' ہے جس میں انھوں نے اپنے پیرومرشد کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ ان کا طرزِ بیان رواں اور بے ساختہ ہے۔

ملاّ وجہؔی (1659-1562): ان کا نام اسداللہ تھا۔ ان کے آبا و اجداد خُراسان سے آ کر دکن میں بس گئے تھے۔ وجہی وہیں پیدا ہوئے۔ انھوں نے قطب شاہی خاندان کے چار بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ وہ فارسی اور دکنی دونوں میں مہارت رکھتے تھے۔ قطب مشتری ان کی مشہور مثنوی ہے جس میں انھوں نے قلی قطب شاہ اور مشتری کے عشق کی داستان بیان کی ہے۔ یہ مثنوی اندازِ بیان، تشبیہات و استعارات اور تاثیر کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے۔

وجہؔی کی نثری تصنیف 'سب رس' اردو کی پہلی نثری داستان ہے جو 1635 میں لکھی گئی۔ اس کا موضوع تصوف اور اسلوب تمثیلی ہے۔

قلی قطب شاہ (1611-1565) : اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ معانؔی، قطب شاہی خاندان کے پانچویں حکمراں تھے۔ وہ مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے ہم عصر اور حیدرآباد شہر کے بانی تھے۔ 47 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ قلی قطب شاہ کا اردو کلیات پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں سبھی اصناف کے نمونے موجود ہیں۔ انھوں نے اردو شاعری کو ایرانی شاعری کے رنگ و آہنگ سے روشناس کرایا اور اس میں ہندوستانی فکر و احساس اور تہذیب و معاشرت کی عکاسی کی۔ ان دونوں حیثیتوں سے محمد قلی قطب شاہ کا کلام سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

محمد قلی قطب شاہ نائیکہ بھید اور شرنگار رس کی نزاکتوں سے واقف تھے۔ انھوں نے عورت کو ہر روپ میں پیش کیا ہے۔ فارسی تلمیحات کے ساتھ ساتھ ہندو دیومالا اور ہندوستانی تلمیحات اور استعارے بھی خوب استعمال کیے ہیں۔

عبداللہ قطب شاہ : انھوں نے اپنے نانا محمد قلی قطب شاہ کی ادبی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ فنونِ لطیفہ اور شعر و ادب کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھی شاعری میں کمال دکھایا ہے۔ ان کے کلام میں راگ رنگ کی محفلوں کی خوب صورت عکّاسی ملتی ہے۔

غواصؔی : غواصی قطب شاہی دور کے اہم شاعر تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ نے انھیں ملک الشعرا کا خطاب عطا کیا تھا۔ وہ سفیر کے عہدے پر بھی فائز رہے تھے۔ ان کی تین مثنویاں 'مینا ستونتی'، 'سیف الملوک و بدیع الجمال' اور 'طوطی نامہ' بہت مشہور ہوئیں۔ غزل، قصیدے، رباعی اور مرثیے پر مشتمل ان کا دیوان بھی موجود ہے۔ حسن و عشق کا موضوع

ان کا خاص میدان ہے۔غواصی کی تینوں مثنویاں عشقیہ ہیں لیکن عشقیہ قصے مختلف انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ان قصوں کے پیچھے اخلاق اور معاشرت کے آئین وآداب بھی تمثیلی پیرایے میں نظم کیے گئے ہیں۔زبان و بیان کے اعتبار سے بھی غواصی نے اپنی انفرادیت قائم کی ہے۔

ابنِ نشاطی : ان کا نام شیخ محمد مظہر الدین تھا۔وہ عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ان کی مثنوی پھول بن، بہت مشہور ہوئی۔پھول بن فارسی قصہ 'بساتین الانس' کا دکنی ترجمہ ہے۔اس میں عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں بھی اشعار لکھے گئے ہیں۔نشاطی کی یہ مثنوی لفظی اور معنوی خوبیوں سے پُر ہے۔

بحریؔ (وفات 1717) : ان کا نام قاضی محمود اور تخلص بحریؔ تھا۔وہ ایک معروف صوفی بزرگ تھے۔'من لگن' ان کی مشہور مثنوی ہے۔اس میں تصوف کے مضامین دل نشیں حکایتوں کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں۔زبان و بیان کے اعتبار سے 'من لگن'، بلند پایہ مثنوی ہے۔ان کی دوسری مثنوی 'بھنگ آب نامہ' بھی موجود ہے۔بحری نے غزلیں بھی لکھی ہیں جن میں شگفتگی روانی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔

دکن میں اردو ادب کی جو روایت عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں قائم ہوئی، ان حکومتوں کے خاتمے کے بعد اس میں مزید ترقی ہوئی اور دو بڑے نام ولیؔ اور سراجؔ سامنے آئے جن سے دکن اور شمال کی تفریق ختم ہوگئی۔

ولی دکنی (1668-1707) : ان کا نام ولی محمد تھا۔ان کے آبا و اجداد گجرات میں مقیم تھے۔وہاں سے ہجرت کر کے وہ دکن کی طرف آئے اور وہیں بس گئے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ولی اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ شاہ وجیہ الدین گجراتی کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔انھوں نے شاعری کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد اپنے پیش رو دکن کے دوسرے شعرا کے برخلاف صنف غزل کی طرف زیادہ توجہ کی اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس صنف کو بہت جلد بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ولیؔ نے فارسی غزل کے مضامین اور تشبیہات و استعارات سے اپنی غزل کو آراستہ کیا جس کی بدولت غزل میں ایک نئی روایت کا آغاز ہوا۔

جب ولی کا دیوان دہلی پہنچا اور اس کے بعد وہ 1700 میں خود یہاں آئے تو اہل دہلی نے ان کی اور ان کے کلام کی بڑی قدر کی۔ولی کے دہلی آنے سے قبل بھی اردو میں طبع آزمائی کی جاتی تھی لیکن عام طور پر لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ولی کی شگفتہ و خوش آہنگ غزلوں نے دہلی کے شعرا کا دل موہ لیا اور وہ بھی اسی راہ پر چل پڑے۔ یہیں سے اردو شاعری کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ان کے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں :

مفلسی سب بہار کھوتی ہے　　مرد کا اعتبار کھوتی ہے
دل کو گر مرتبہ ہو درپن کا　　مفت ہے دیکھنا سریجن کا
جب میری خبر لینے وہ صیّاد نہ آیا　　شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا

سراؔج اورنگ آبادی (1712-1764) : ان کا نام سید شاہ سراج الدین حسینی اور تخلص سراؔج تھا۔ ان کے آباواجداد میرٹھ کے رہنے والے تھے، لیکن وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ سراؔج پر ہمیشہ جذب وکیف کا ایک عالم طاری رہتا تھا۔ اسی عالم میں وہ شعر بھی کہتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے کلام میں جذب اور سرمستی کی کیفیت بھی ملتی ہے۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

یار کوں بے حجاب دیکھا ہوں　　میں سمجھتا ہوں خواب دیکھا ہوں
دو رنگی خوب نئیں یک رنگ ہو جا　　سراپا موم ہو یا سنگ ہو جا
خبرِ تحیّرِ عشق سن، نہ جنوں رہا نہ پری رہی　　نہ تو تو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

وؔلی اور سراؔج کے بعد شمالی ہند میں اردو شاعری کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔